© rasailojaraid.com

[illegible] قسط

اسلامی دار الافتاء اور منصب مفتی

ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز ــــــــ (کراچی یونیورسٹی)

مفتی کو ان امور میں ضعف کے باعث اسے تخریج سے منع کیا جائے، مفتی کیلئے ممکن ہے کہ اگر وہ تخریج اور ترجیح کا اہل نہ ہو تو وہ ان ائمہ کے ذاتی اوصاف میں غور کرکے یہ نتیجہ نکالے کہ ان میں کس کی رائے قابل ترجیح ہو سکتی ہے۔ پھر ان میں سے بڑے عالم، متقی اور عمر رسیدہ کی رائے کو ترجیح دے۔ اور اگر تمام ایک دوسرے سے بعض اوصاف کے اعتبار سے ممتاز ہوں تو پھر ترجیح اس کو دے جو زیادہ صائب الرائے ہو، ایسا بڑا عالم مقدم ہوگا جو متقی بھی زیادہ ہو بہ نسبت اس زیادہ متقی کے جو عالم ہو۔ ترجیح کا یہ اصول اسی طرح ہے جس طرح احادیث میں راویوں کو ترجیح دینے کے سلسلہ میں اس وقت کیا جاتا ہے جب متعارض روایات پیش آئے۔ (۶۴)

مفتی مقلد اپنے مذہب کی کن کتب پر اعتماد کرے؟

مفتی کو چاہیئے کہ وہ ایسی کتابوں سے فتویٰ نہ دے جو غیر مشہور و گمنام ہوں یا جن کے مندرجات کی صحت کا کوئی ثبوت نہ ہو۔ اسی طرح ایسی نئی کتابیں جن میں منقول عبارات کا کتب معتبرہ سے منقول ہونا ثابت نہ ہو یا جن کے مصنفین کی عدالت و ثقاہت کا یقین نہ ہو۔ اسی طرح اگر نفس حکم ان کتب کے حواشی یا تعلیقات سے ثابت ہو اور وہ بھی نامعلوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصل سے منقول ہوں اور امہات الکتب میں وہ حکم نہ پایا جائے نہ ان کے حوالہ جات مذکور ہوں نہ وہ واضح خطا سے تحریر کردہ ہوں تو ایسی عبارات سے فتاوی میں استدلال درست نہیں۔

تاہم ایسی کتب مشہورہ جو علماء کے ہاں معروف ہوں اور جن کے بارے میں علماء کی تصدیق موجود ہو کہ ان میں کوئی تحریف یا رد و بدل نہیں ہوا ہے تو ایسی کتب سے فتوی دینا جائز ہے اگرچہ اصول تو یہ ہے کہ فتوی ایسی کتب سے دیا جائے جن کو ثقہ اور عادل علماء نے روایت کیا ہو اور ان سے اس مجتہد نے اکتساب کیا جس کا یہ مفتی مقلد ہے تاکہ اس کے لئے ان کتب کی صحت ایسی بے غبار ہو جائے جیسے مجتہد کے لئے احادیث کی۔ کیونکہ ہر دو صورتوں میں اللہ کے دین کو نقل کرنا مقصود ہے مگر لوگوں نے اس معاملہ میں وسعت پیدا کرلی ہے اور متقدمین کی ایسی کتب مشہورہ سے اخذ کو جائز قرار دیا ہے جن میں رواۃ کا سلسلہ اگرچہ مذکور نہ ہو، جیسا کہ نحو اور عربی زبان کی کتابوں میں سند اور رواۃ کا سلسلہ متروک ہو چکا حالانکہ عربی کی کتابیں ہی کتاب وسنت کی اساس ہیں۔ اسی طرح فقہ کی کتابوں میں بھی سلسلہ رواۃ کا ذکر اب غیر ضروری سمجھ کر ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ اطمینان ہو چکا ہے کہ ان میں کوئی تحریف ہوئی ہے اور نہ رد و بدل۔ (۶۵)

علامہ عزالدین ابن عبدالسلام سے مفتیٔ مقلد کے بارے میں پوچھا گیا جو ایسے قول سے فتوی دیتا ہو جس کی نسبت اس کے امام مذہب کی طرف ہے اور اس مفتی نے روایت کے اصولوں کے مطابق یہ قول اپنے امام مذہب سے نہیں لیا بلکہ صرف امام مذہب کی کتب کے مطالعہ سے حاصل کیا ہے تو کیا یہ ایسے قول کو فتوی میں پیش کرسکتا ہے؟ اس کے جواب میں علامہ نے کہا: فقہ کی صحیح کتب پر اعتماد کرنا جن کی توثیق ہو چکی، علماء عصر کے ہاں متفق علیہ ہے کیونکہ ان کتابوں کو ایسی ہی ثقاہت حاصل ہو چکی ہے جیسی سند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور روایت کو حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح لوگوں نے نحو، لغت، طب اور دیگر تمام علوم کی مشہور کتابوں پر اعتماد کیا ہے کیونکہ انہیں بھی ثقاہت و اعتماد کی سند مل چکی اور ان میں رد و بدل کا خدشہ بعید از قیاس قرار پا چکا۔ اب جو کوئی یہ سمجھے کہ لوگوں نے ان کتابوں پر اعتماد کر کے غلطی کی ہے تو وہ خود غلطی پر ہے کیونکہ اگر اس اعتماد کا جواز نہ ہو تو بہت سے معاملات جن کا تعلق طب، نحو اور عربی زبان کے حوالہ سے شریعت سے ہے وہ سب معطل ہو کر رہ جائیں۔ شریعت بہت سی صورتوں میں الحبار کے اقوال سے رجوع کرتی ہے جبکہ طب کی زیادہ تر کتابوں کا تعلق قوم کفار سے ہے لیکن جب ان کتابوں میں دضع و تدلیس کا امکان نہیں اور ان پر اعتماد ہو چکا جیسا کہ اشعار میں۔ کہ عرب کے کافر شعراء کے کلام پر اعتماد کیا گیا، اسی طرح ان پر بھی اعتماد کا معاملہ ہے (۶۶)

الزرکشی نے ابو اسحاق اسفرائنی سے نقل کیا ہے (۶۷) کہ انہوں نے معتمد کتابوں سے نقل کرنے کے جواز پر اجماع بیان کیا ہے اور اس میں مؤلف تک اتصال سند کی شرط بھی عائد نہیں کی۔ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ اگر کسی کتاب کے کسی نسخہ کی صحت کا یقین ہو تو یوں کہنا چاہیے "فلاں نے یوں کہا ہے" ورنہ کسی کے قول کو یونہی لفظِ یقین کے ساتھ بیان نہ کرنا چاہیئے، امام سیوطی نے اس کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"آجکل لوگ کتب سے نقل کرتے ہیں اور منقولہ عبارات کی نسبت ان کے مصنفین کی طرف ظاہر کرتے ہیں" (۶۸)

اس طرح کسی بھی فقہی مذہب کی کتب معتمدہ سے فتویٰ دینے کے جواز پر اتفاق ہے۔ اگرچہ براہِ راست ان کے مصنفین سے روایت نہ بھی لی گئی ہو۔ علامہ عزالدین بن عبدالسلام، شہاب الدین القرافی، برہان الدین ابن فرحون، بدرالدین الزرکشی، جلال الدین السیوطی اور ابو اسحاق اسفرائینی نے اس پر اجماع بیان کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عامی کا عامی کو فتویٰ دینا:

کیا کسی عام آدمی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی عام آدمی کو ان معلومات کی بنا پر فتویٰ دے دے جو اس نے علماء سے سنی یا حاصل کی ہوں؟ یہ سوال ایک سے زائد علماء اور کبار فقہاء نے چند مسائل کے حل کے سلسلہ میں اٹھایا ہے اور اس کے جواب میں جو اقوال سامنے آئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

پہلا قول:۔ یہ مکمل ممانعت کا قول ہے صاحب "الحاوی" کی رائے میں یہی صحیح تر ہے کیونکہ عام آدمی میں استدلال کی صلاحیت نہیں ہوتی اور نہ اسے شرائط استدلال کا علم ہوتا ہے اور وہ کسی ایسی بات کو دلیل خیال کرتا ہے جو کہ دراصل دلیل نہیں ہوتی ہے۔

دوسرا قول: یہ جواز کا قول ہے۔ بشرطیکہ مسئلہ کی دلیل قرآن وسنت سے ہو اور اگر ان دونوں کے علاوہ دلیل ہو تو جائز نہیں کیونکہ کتاب وسنت کے مخاطب تو سبھی لوگ ہیں، تو جس طرح ایک شخص پر لازم ہے کہ اسے کتاب وسنت کا جو پہونچا ہو وہ اس پر عمل کرے اس طرح کسی دوسرے کو قرآن وسنت سے رہنمائی فراہم کرنا اور اس سے آگاہ کرنا بھی اس کے لئے جائز ہے۔

قول ثالث:۔ یہ جواز مطلق کا ہے۔ کیونکہ عام آدمی کے پاس بھی علم اس واقعہ کی دلیل کے ساتھ اسی طرح پہنچا ہے جس طرح کہ ایک عالم کے پاس۔ اگر کوئی عالم اس وجہ سے ممتاز ہے کہ اس کے پاس علمی مہارت وملکہ ہے جس کی بنا پر وہ کسی دلیل پر قائم رہتا اور دلیل مخالف کو رد کر سکتا ہے تو عامی آدمی کے پاس بھی تو دلیل اور علم ہی ہے۔ اس کی تائید میں ابن القیم کہتے ہیں "یہ تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیغام پہنچانے کا سلسلہ ہے پس جو کوئی بھی یہ کام کرے کے اسلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنے اللہ اسماکو محض اسے خبر دے۔ اگر چہ ایک کلمۂ خیر ہی کی تبلیغ کیوں نہ ہو۔" انہوں نے اس مسئلہ میں اپنی تعلیق ان الفاظ پر ختم کی ہے "کسی عام آدمی کو ایسا شرعی مسئلہ بتلانے سے روکنا جو وہ جانتا ہے۔ خطائے محض ہے۔ اللہ توفیق بخشے"۔ (۶۹)

مفتی کی ادبی اور مادی ذمہ داریاں :

مفتی کی اخلاقی اور ادبی ذمہ داری سے کسی کو اختلاف نہیں کیونکہ فتویٰ دراصل اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تبلیغ پیغام ہے۔ اس سلسلہ میں مفتی کی ذمہ داری انتہائی اہم ہے۔ کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بولتا ہے۔ جب وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ نے یوں حکم دیا ہے یا اس طرح منع کیا ہے۔ یا اللہ نے یوں واجب قرار دیا ہے اور یوں حرام ٹھہرایا ہے (۷۰) اسی بنیاد پر ابن القیم نے اپنی معروف کتاب فتویٰ وقضاء کا نام "اعلام الموقعین عن رب العالمین" رکھا ہے۔

مفتی کی ادبی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ مادی ذمہ داری بھی مفتی پر عائد ہوتی ہے اور وہ یوں کہ امام یا حاکم مفتی سے کوئی فتویٰ لے کر اس کے مطابق کوئی حکم نافذ کرتا ہے اور اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ مفتی سے فتویٰ میں سہو ہو گیا تو اس صورت میں اس فتویٰ پر عمل کے نتیجہ میں اگر کوئی مالی نقصان ہو تو مفتی اس کا ضامن ہوگا۔ اور اگر فتویٰ بحکم حاکم یا امام کی بنا پر نہ دیا گیا ہو اور اس سے کوئی مالی یا جانی نقصان ہو جائے تو پھر دیکھا یہ جائے گا کہ فتویٰ دینے والا مفتی، فتویٰ دینے کا مجاز تھا یا نہیں؟ اگر وہ مجاز و اہل تھا تو اس صورت میں ضمان مستفتی (سائل) پر ہے کیونکہ اسے اختیار تھا کہ وہ مفتی کے فتویٰ پر عمل کرے یا نہ کرے وہ مفتی کے فتویٰ پر عمل پیرا ہونے کا پابند نہ تھا۔ اور اگر مفتی غیر مجاز اور نااہل تھا تو ضمان اسی پر ہوگی نہ کہ مستفتی پر یہ مسئلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں ہے کہ، "جو کوئی علم طب نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانتا ہو اور طبیب بن بیٹھے تو وہ کسی بھی نقصان کا ذمہ دار (ضامن) ہوگا (۶۱) یہ حدیث سنن ابو داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں موجود ہے۔

ابراہیم اللقانی کی کتاب اصول فتوی میں "ضمان المفتی" کے عنوان سے لکھا ہے:

"ہمارے علماء نے کہا ہے کہ اگر مفتی کے فتویٰ سے کسی کا مال تلف ہو گیا اور مفتی مجتہد تھا تو اس پر کوئی غبار نہیں اور اگر مجتہد نہ تھا تو وہ نقصان کا ضامن ہے"

المازری نے کہا ہے کہ "مفتی کے فتویٰ سے (جبکہ وہ مجتہد نہ ہو) اگر کوئی نقصان ہو جائے تو حاکم کو چاہیئے کہ وہ اس کو تنبیہ کرے اور وہ نقصان کا ضامن بھی ہوگا۔ پھر اگر تنبیہ کے بعد وہ اہلیت فتویٰ حاصل کرے تو اسے سزا نہ دی جائے اور اگر وہ پھر بھی اہلیت حاصل نہ کرے تو اسے فتویٰ دینے سے منع کر دیا جائے۔ (۶۲)

علامہ محمد مکی الناصری کی اس تحریر سے یہ بات واضح ہو چکی کہ فتویٰ نویس ہر کید وعہد کا کام نہیں بلکہ یہ انتہائی ذمہ دارانہ منصب ہے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ہمارے ملک میں نہ تو مفتی کی اہلیت سے متعلق کوئی جانتا ہے نہ اس منصب کی نزاکت سے کوئی واقف و آگاہ ہے بلکہ جس کا جی چاہے مفتی ہونے کا اعلان کر دے اور راتوں رات مفتی بن بیٹھے۔ علماء کرام کو بالخصوص اہل علم و دانش کو چاہیئے کہ وہ کوئی ایسا نظام قائم کریں جس کے تحت مفتی کا منصب صرف قابل اور اہل لوگوں ہی کے لئے مختص ہو سکے اور ملک میں خود ساختہ مفتیوں کی وجہ سے پھیلی ہوئی مسلکی انارکی کا خاتمہ ممکن ہو۔

(ختم شد)

(۶۴) ابن الصلاح بحوالہ ابن فرحون، البقرہ ج ا ص ۵۰، ۵۱

(۶۵) القرافی، الاحکام فی تمیز الفتاویٰ عن الاحکام، ص ۲۶۱، ۲۶۲

(۶۶) ابن فرحون، التبصرۃ، ج ا ص ۵۳، ۵۴ السیوطی، الاشباہ والنظائر ص ۲۴۷

(۶۷، ۶۸) السیوطی، الاشباہ والنظائر، ص ۳۴۶

بقیہ صفحہ ۲۲ پر

© rasailojaraid.com